© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

مدارسِ عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکر

از

(سعید احمد)

(۲)

جو ہونا تھا وہ ہو چکا: اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سی فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کے باوجود مدارسِ عربیہ نے ہندوستان میں دین و علم کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ بحیثیت مجموعی اپنی جگہ پر بہت شاندار اور قابلِ قدر ہیں اور ان کی عظمت کا صحیح اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے علمی و مذہبی حالات کا موازنہ و مقابلہ اسی زمانہ کے ممالک اسلامیہ کے ساتھ کیا جائے لیکن بہرحال اب جدید حالات اور قومی و بین الاقوامی انقلابات و تغیرات کا شدید تقاضا ہے کہ مدارس عربیہ اپنی ہیئت و ترکیب اور اپنے نظام پر از سر نو دیدہ وری کے ساتھ غور کریں، اور جہاں تبدیلی کی ضرورت ہو تبدیلی پیدا کریں۔

دینی تعلیم کا مقصد

اس سلسلہ میں سب سے پہلے معلوم یہ کرنا چاہئے کہ دینی تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ مدارس عربیہ میں دینی تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ دین کے اصل سرچشموں سے براہِ راست واقفیت پیدا کر کے دینی احکام و مسائل کا علم علیٰ وجہ البصیرت حاصل کیا جائے تاکہ اس پر دو نتیجے مرتب ہوں ایک یہ کہ جب احکام و مسائل کا علم علیٰ وجہ البصیرت ان کے مآخذ اور منابع کی روشنی میں ہوگا تو اس سے خود صاحبِ علم کے عمل میں پختگی، مضبوطی اور استحکام و رسوخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوگا اور دوسرا یہ کہ وہ دوسروں کو جن کی رسائی دین کے اصل سرچشموں تک نہیں ہے۔ اور اس بنا پر یا تو سرے سے ان میں علم کا ہی فقدان ہے یا علم ہے تو بغیر علم کے جس کو حدیث میں "ضلال" کہا گیا ہے، ان کو دینی احکام و مسائل بتائے جاسکیں۔ عدم علم کے باعث ان کے عقیدہ میں جو خامی اور کمزوری ہے وہ دور کی جاسکے اور جن کے دماغ میں کسی وجہ سے کچھ تشکوک و شبہات ہیں ان کو دور کیا جاسکے۔ اسی کو مختصر لفظوں میں اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ دینی تعلیم کا مقصد مسلمانوں کی علمی و عملی رہنمائی ہے، اگرچہ اس رہنمائی کا ابتدائی تعلق مسلمانوں سے ہے، لیکن چونکہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ وہ تمام بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہے اور علما اس امانت کے امین ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس پر مامور ہیں کہ وہ اسلام کی آواز دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچائیں اس بنا پر دینی تعلیم کا مقصد جہاں مسلمانوں کی رہنمائی ہے دنیا کو دعوت الی الحق دینا بھی ہے۔

حصول مقصد کے طریقے

اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، لیکن چونکہ ذکر مدارس عربیہ کا اور ان کے فارغ التحصیل طلباء کا ہے اس لئے ان کی مناسبت سے ہم یہاں صرف انھیں طریقوں کا ذکر کریں گے جو جو مدارس عربیہ کے دائرۂ اختیار و عمل میں آتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے مقدم یہ امر ہے کہ علوم دینیہ کی تحصیل کیوں کر کی جائے یہ ظاہر ہے کہ دین کا اصل سرچشمہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی تبلیغ کی ان کا ماخذ صرف یہی دو چیزیں ہیں۔ فقہ اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے ساتھ ساتھ آیا لیکن باقاعدہ مذاہب اربعہ کی شکل میں اس کی ترتیب و تدوین بعد میں ہوئی، اس بنا پر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علوم دینیہ میں کتاب و سنت کے علاوہ فقہ اور اس کے متعلقات بھی شامل ہیں اور ہونے چاہئیں لیکن ان تینوں میں جو طبعی ترتیب ہے ان کے مطالعہ و درس میں بھی وہی ترتیب قائم رکھنی چاہیے اور ان تینوں میں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرقِ مراتب ہے ذہنی اور فکری طور پر اس فرق کو مرعی رکھنا چاہئے گویا ہمیں قرآن و سنت کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ دین کا اصل ماخذ یہی دو چیزیں ہیں اور نہ صرف مذاہبِ اربعہ بلکہ ان کے علاوہ فقہ کے اور بھی بہت سے مذاہب و مسالک جو اب دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں یا جن کے ماننے والے خال خال ٹیونس، الجزائر، مغربِ اقصیٰ یا نجد و شام اور یمن و عمان کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں ان سب کا استخراج و استنباط بھی انھیں سرچشموں سے ہوا تھا اور اس بنا پر ان دونوں کی حیثیت جو ماخذ اور متبوع ہونے کی ہے وہ قایم رکھنی چاہئے۔ مدارسِ عربیہ میں عام نقص یہ ہے کہ جب طالب علم قرآن یا سنت کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے دماغ پر یہ خیال مسلط ہوتا ہے کہ وہ حنفی ہے یا شافعی ہے، مالکی ہے یا حنبلی ہے اور اس احساس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن و سنت کے تمام نصوص و عبارات کو اسی ایک نگاہ سے دیکھتا اور اسی کے مطابق فیصلے کرتا چلا جاتا ہے اس بنا پر اس کا نقطۂ نظر محدود، اور اس کی قوتِ استخراجِ مسائل پابند اور اس کا طریقۂ افہام و تفہیم غیر وسیع اور جمود آشنا ہوتا ہے اور زیادہ افسوس ناک یہ ہے کہ قرآن و سنت میں دیدہ وری و بصیرت کوشی کی نوبت ہی کم آتی ہے۔ وہ مذاہبِ فقہ کی موشگافیوں اور ان کی نکتہ آفرینیوں میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے۔ قرآن و سنت سراپا نور ہیں، سرتاسر ہدایت ہیں، زندگی کے ہر شعبہ پر ان کی تعلیمات حاوی اور مشتمل ہیں، اس بنا پر ظاہر ہے کہ جب ان کا مطالعہ اصل کی حیثیت سے وسعتِ نظر اور غیر جانب داری کے ساتھ ہوگا تو دین کے افہام و تفہیم کے لئے بھی نئے نئے میدان ہاتھ آئیں گے اور دین کی جامعیت۔ افادیتِ عامہ اور اس کی ہمہ گیری کا یقین و اذعان پیدا کیا جا سکے گا۔

قرآن و سنت کی تعلیم و تدریس سے متعلق اگر بنیادی طور پر مذکورۂ بالا اصول کو صحیح مان لیا جائے تو پھر لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ چوں کہ قرآن اور سنت کا سب ذخیرہ عربی زبان میں ہی ہے اس بنا پر جب تک عربی زبان میں مہارت اس کے مختلف اسالیبِ بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مکمل واقفیت اور زبان کے نکات و رموز کا صحیح ذوق نہیں ہوگا قرآن و سنت کا مطالعہ خاطر خواہ طریقہ پر نہیں ہو سکتا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ صرف عربی سے اردو میں ترجمہ کی صلاحیت و استعداد اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ زبان کے سینکڑوں ہزاروں نکات و اسرار ہیں جو اس زبان میں مہارت اور مادری زبان کی طرح اس کا ذوق پیدا کئے بغیر نہیں معلوم ہو سکتے۔ بعض اوقات ایک جملہ اپنی ترکیب کے اعتبار سے جملہ مثبتہ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کے معنی نفی کے ہوتے ہیں کبھی ایک جملہ دیکھنے میں موکدہ ہوتا ہے۔ اس میں مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن ایک صاحب ذوق بتائے گا کہ یہاں نہ تاکید مراد ہے اور نہ مبالغہ مقصود ہے۔ بلکہ تاکید اور مبالغہ کا استعمال کسی ایک ایسے امر خارجی کی وجہ سے ہوا ہے جس کا نسبت رابطہ یا حکم کلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثالیں بہت سی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ہم یہاں صرف ایک مثال اور وہ بھی قرآن سے پیش کرتے ہیں اصول فقہ کی عام کتابوں میں قرآن مجید کی آیت "لکم دینکم ولی دین" کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ یہ منسوخ التلاوۃ نہیں بلکہ منسوخ الحکم ہے حالانکہ سیاق صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اس آیت کا مفہوم تخییر نہیں بلکہ یہ بطور زجر و توبیخ ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہے کہ فلاں کام نہ کرو۔ مگر بیٹا نہیں مانتا تو باپ جھنجلا کے اور بگڑ کے کہتا ہے کہ "اچھا! جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ تم جانو تمہارا کام" ظاہر ہے کہ باپ کے اس کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس نے بیٹے کو آزادی دے دی ہے اور اب اس کو اختیار ہے کہ وہ باپ کی نصیحت کے خلاف جو چاہے کرے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک فہمائش کا تعلق ہے اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب اگر اس پر بھی وہ نہیں مانتا تو اس کے عواقب و نتائج کا ذمہ دار وہ خود ہوگا! یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر مجرم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ

اس بنا پر قرآن مجید کی آیت مذکورہ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ منسوخ الحکم ہے صحیح نہیں ہے بلکہ وہ اپنی جگہ پر قایم ہے

اب غور کیجئے کہ ہمارے مدارس میں عربی زبان کا ذوق پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کیا جاتا ہے؟ اور اس پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں؟

مدارسِ عربیہ میں صرف و نحو کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے کہ گویا وہ خود اصل مقصود ہیں اور طالب علم کا مطالعہ بجائے فنی کے کتابی ہو کر رہ جاتا ہے اس کو کافیہ ازبر ہوتا ہے، شرح جامی کے مباحث پر نوک زبان ہوتے ہیں لیکن اول تو یہ سب کچھ پڑھ لینے کے بعد فنی معلومات اور ان کی تمرین و ممارست کتنی ہوتی ہے؟ اور پھر جہاں تک زبان کے ذوق کا تعلق ہے وہ اس میں کتنا پیدا ہوتا ہے؟ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اصل مقصد زبان کی تحصیل ہے صرف و نحو تو اس کے لئے صرف بمنزلہ آلہ و ذریعہ کے ہیں تو پھر کیا یہ افسوس ناک بات نہیں ہے کہ وسیلہ و ذریعہ پر ہی اس قدر وقت صرف کیا جاتا ہے کہ طالب علم اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اصل مقصد درمیان سے غایب ہو جاتا ہے

ہمارے درسِ نظامی میں صرف و نحو کی جو کتابیں شامل ہیں وہ ایک ایسے دور کی لکھی ہوئی ہیں جو مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا اور اس بنا پر ان میں غیر ضروری طباعی و ذہانت اور حد درجہ موشگافی و نکتہ آفرینی کا جو مظاہرہ کیا گیا ہے ان کا تعلق صورت و ظاہر سے زیادہ اور حقیقت و معنی سے کم ہے حالانکہ خود راقم الحروف کا اپنا تجربہ ہے کہ ایک متوسط درجہ کی استعداد و ذہانت رکھنے والے طالب علم کے لئے دو سال صرف و نحو کی تکمیل اور ان کے مسائل پر مبصرانہ نگاہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

ان کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مدارسِ عربیہ میں صرف و نحو کی تعلیم جس طرح دی جاتی ہے اس سے قرآن فہمی کی استعداد کتنی پیدا ہوتی ہے ان سب پر کتنا وقت خرچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کتنا ہوتا ہے اور جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی عملی افادیت کس قدر ہوتی ہے بحث کو مرتب و منظم کرنے کے لئے مدارس عربیہ میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں ہم ان کو تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) علوم عربیہ۔

(۲) علوم دینیہ۔

(۳) علوم غیر دینیہ۔

اب ہم فرداً فرداً ان میں سے ہر ایک پر نمبر وار گفتگو کریں گے۔ (باقی آئندہ)

آہنگ سرمدی

اردو ادب میں ایک گراں قدر کتاب کا اضافہ

عہد حاضر میں جب کہ علم و ادب کا معیاری ذوق کم ہوتا جا رہا ہے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اردو میں ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جو فنی اور علمی اعتبار سے قابل اعتنا ہوں اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بعض ادیب اور شعراء اس مقصد کی تکمیل کی طرف خاص طور پر متوجہ ہیں حضرت الم مظفر نگری جو ملک کے مشہور شاعر اور ادیب ہیں اپنے مخصوص اور معیاری ادب سے زبان اردو کو برابر نوازتے رہتے ہیں آہنگ سرمدی موصوف ہی کا ایک شاندار ادبی اور علمی کارنامہ ہے یہ کتاب علامہ فیضی کی مشہور مثنوی گیتائے منظوم کا اردو ترجمہ ہے جو سلاستِ زبان اور روانیِ کلام کے اعتبار سے ایک ادبی معجزہ سے کم نہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے اس ادبی شاہکار میں زبان و بیان کی تمام دل آویزیوں کے ساتھ معانی و مفاہیم عالیہ کا مرتبہ بھی اپنے صحیح مقام پر قائم ہے۔ لکھائی چھپائی نفیس کاغذ اعلیٰ، جلد پختہ اس پر سنہری ڈائی ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپے۔

منیجر:- مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com